لطیفہ ۵۴

ان بعض شعرا کا ذکر جو صوفیۂ صافیہ اور طائفہ عالیہ کے مشرب کا ذوق رکھتے تھے

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ شعر فی الحقیقت اپنی ذات میں مذموم نہیں ہے بلکہ اس کے اچھے یا برے ہونے کا حکم اس کے اثر کے اعتبار سے ہوگا جیسے کہ کہا گیا ہے، هو كلام فحسنة حسن و قبيحه قبيح یعنی شعر ایسا کلام ہے جس کی خوبی خوب تر اور بدی بدتر ہے۔ یہ جو حق تعالیٰ نے آیت پاک وَّمَاهُوَبِقَوْلِ شَاعِرٍ [1] (اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں۔) میں نبی اور شاعر کی یکجائی کی نفی کی ہے تو اس کا سبب واضح ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک کو اس امر کا مظہر ٹھہرایا کہ وہ شعر کی آلائش کی تہمت سے مبّرا ہے، اس کے علاوہ قرآنی بلاغت کے پرچم کو بَلْ هُوَ شَاعِرٌ [2] (بلکہ اسے (اپنی طرف سے) گھڑ لیا ہے (کچھ نہیں) کے الزام کی پستی سے نکال کر وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِى لَهُ [3] (اور ہم نے اپنے نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان (کی شان) کے لائق ہے) کے اوجِ تقدس پر لہرانا مقصود تھا، نہ یہ ثابت کرنا کہ شعر اپنی ذات کی حد تک بری چیز ہے یا شاعریت اور کلامِ منظوم کا وارد ہونا معیوب اور قابل ملامت ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ نظم قرآن کی تفہیم میں قاصر رہنے والے اسے سلیقۂ شعر کا محتاج خیال نہ کریں اور جھگڑالو مزاج کے لوگ، اللہ انہیں رسوا کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعرا کے زمرے میں شمار نہ کریں۔ یہ شعر اور شعرا کے مقام کی رفعت اور ان کی اثر آفرینی کی منزلت کی واضح ترین دلیل ہے۔ مرتبۂ شعر ملاحظہ کریں کہ کس طرح نبی کی بعثت سے انکار کرنے اور قرآنِ عظیم پر شاعری کی تہمت دھرنے کی تصحیح فرمائی ہے۔

بہرحال اس امر کے باوجود حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم شعرائے متقدمین کے اشعار توجہ سے سماعت فرماتے تھے چنانچہ ایک روز صحابہؓ میں سے ایک صحابی آپ ﷺ کے ساتھ سواری پر جا رہے تھے ان سے آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تمہیں اگلے شاعروں کے شعر یاد ہیں۔ انہوں نے تقریباً ایک ہزار اشعارِ متفرقہ سنائے۔ آپ ﷺ نے تحسین فرمائی۔

---

[1] پارہ ۲۹۔ سورہ الحاقہ، آیت ۴۱

[2] پارہ ۱۷۔ سورہ الانبیاء آیت ۵

[3] پارہ ۲۳۔ سورہ یاسین آیت ۶۹

احمد خلیل [1] سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام کی کتاب قصیدہ سے دو شعر منقول ہیں [2] (نقل از احمد خلیل است کہ دو بیت از قصیدۂ دفترِ رسول ﷺ منقولست)

رضینا قسمة الجبار فینا
لنا علم وللاعداء مال

(ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تقسیم کیا ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ ہمارے لیے علم ہے اور دشمنوں کے لیے مال ہے)

فان المال یفنی عنقریب
وان العلم باق لایز ال

(پس بے شک مال تھوڑی سی مدت میں فنا ہو جاتا ہے اور بے شک علم ہمیشہ باقی رہتا ہے)

آپ ﷺ کے اصحاب کے بہت سے اشعار (کتابوں میں) نقل کیے گئے ہیں، خاص طور پر حضرت علیؓ کا ایک دیوان ہے، جس کے اشعار و مقولات آفتابِ حقائق کا مطلع اور دقیق کلمات کا سرچشمہ ہیں اور جو اصحاب تحقیق و تدقیق کا دستور العمل رہے ہیں۔ علاوہ ازیں فضیلتِ شعر سے متعلق جو کچھ اولیائے کبار اور نامور اہل بلاغت سے روایت کیا گیا ہے اسے شرح و بسط سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ بیت

خاصہ کلیدے کہ درِ گنج راست
زیرِ زباں مردِ سخن سنج راست

((حقائق کے) خزانے کے دروازے کی خاص کنجی مردِ سخن سنج کے زیرِ زبان ہوتی ہے)

رودکی

رودکی [3] کا تعلق ماوراالنہر سے ہے۔ وہ مادر زاد نابینا تھا لیکن ایسے ذہین اور تیز فہم تھے کہ آٹھ سال کی عمر میں قرآن

---

[1] ان کا نام خلیل بن احمد بصری فراہیدی الازدی نحوی ہے۔ علم نحو کے جلیل القدر عالم اور علم عروض کے بانی تھے۔ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ ''کتاب العین'' ان کی تصنیف کردہ ہے جو اب ناپید ہو چکی ہے البتہ اس کے چند اجزا جو دستیاب ہوئے شائع ہو چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ ''تاریخ ادب اللغتہ العربیہ'' حصہ دوم مصنفہ جرجی زیدان مطبوعہ دار الہلال قاہرہ ۱۹۵۸ء ص ۱۴۰ تا ۱۴۴۔

[2] خلیل بن احمد بصری نحوی کی اس روایت سے متعلق جو مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۱ پر منقول ہے مترجم کچھ عرض کرنے سے قاصر ہے، علمائے حدیث ہی اس کے بارے میں رائے دے سکتے ہیں۔ مترجم کے علم کی حد تک ڈاکٹر خلیق احمد نظامی مرحوم نے پہلا شعر حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرّہ، سے منسوب کیا ہے۔ ''دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر'' کے مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ نے اپنے حاشیے میں بغیر کسی حوالے کے یہ شعر حضرت علیؓ کی تخلیق بتایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ''احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ'' لاہور ۱۹۸۳ء/ ۱۴۰۳ھ ص ۱۷۶۔

[3] رودکی تخلّص اور ابوعبداللہ جعفر بن محمد نام تھا۔ ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ اسے فارسی شاعری کا باوا آدم خیال کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ''دیوانِ کامل رودسمرقندی'' مرتبہ نصرت اللہ نوح تہران چاپ اول ۱۳۶۳ ش ص ۳ تا ۶۔

شریف حفظ کرلیا اور شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ آواز اچھی تھی اس لیے موسیقی کے فن سے لگاؤ پیدا ہوگیا اور عود بجانا سیکھا اور اس فن میں مہارت حاصل کرلی۔ نصر بن محمد سامانی اُن کا مربی تھا۔ کہتے ہیں کہ سفر میں دو سو غلام اور چار سو بار بردار اونٹ اُن کے ہمراہ ہوتے تھے۔ اُن کے بعد کسی شاعر کو یہ طاقت و قدرت حاصل نہ ہوئی۔ اس بیان کی ذمہ داری راوی پر ہے کہ اُن کے اشعار کی سو جلدیں برآمد ہوئیں۔ شرح عین میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار تین سو ہے۔ انہوں نے شراب کی صفت میں کہا ہے۔ ابیات:

آں عقیقینِ مے کہ ہر کہ بدید
از عقیقِ گداختہ نشناخت

(جس کسی نے محبوب کے سرخ لبوں کو دیکھا وہ تمیز نہ کرسکا کہ یہ لبِ محبوب ہے یا پگھلا ہوا عقیق ہے)

ہر دویک جوہر اندلیک بطبع
ایں بیفسرد[1] آں دگر بگداخت

(اگرچہ دونوں کا جوہر ایک ہے لیکن از روئے طبیعت ایک ٹھٹھر گیا اور دوسرا پگھل گیا)

نابسودہ دو دست رنگیں کرد
نا چشیدہ بتارک اندر تاخت

(بغیر گھسے دونوں ہاتھ رنگین کردیئے بغیر چکھے سر میں نشہ پیدا کردیا)

لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ رباعی[2]:

زمانہ پندیِ آزادگانہ داد مرا
زمانہ چوبھی بنگری ہمہ پنداست

(زمانے نے مجھے واضح طور پر نصیحت کی کہ اگر تو زمانے کا بغور مشاہدہ کرے تو تمام تر نصیحت ہے)

زروز نیک کساں غم مخور زبدزنہار
بسا کساں کہ بروز تو آرزو منداست

(لوگوں کے اچھے دنوں پر برائی کے ساتھ رنجیدہ نہ ہو کیونکہ بہت سے لوگ شاید تیرے زوال کے آرزومند ہوں)

بعض تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور ہوا ہے کہ نصیر ابن احمد[3] (سیر و تفریح کے لیے) بخارا سے نکل کر مرو شاہجہاں میں

---

[1] مطبوعہ نسخے میں ''بیفشر د'' نقل کیا گیا ہے۔ مترجم نے دیوانِ رودکی کے مطابق ''بیفسر د'' کو درست قیاس کرکے ترجمہ کیا ہے۔

[2] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن اور بحر میں نہیں ہیں۔

[3] غالباً سہوِ کتابت کے باعث ''نصیر ابنِ احمد'' نقل ہوا ہے۔ صحیح ''نصر بن احمد'' ہے جو رودکی کا ممدوح تھا۔ ملاحظہ فرمائیں، ''سیّد حسن غزنوی'' مصنفہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کراچی ۱۹۹۸ء ص ۲۳۲۔

فروکش ہوا اور مدتوں قیام پذیر رہا۔ اس کے درباری امیروں کو بخارا کے محلوں اور باغوں کی یاد ستانے لگی انہوں نے رودکی سے بہت سی باتیں کہیں (اصرار کیا) چنانچہ رودکی نے چند ایسے اشعار نظم کیے جن میں بخارا کے شوق اور اس کی جانب رغبت کے جذبات تھے اور انہیں مناسب وقت پر عود کے ساتھ گا کر بادشاہ کو سنائے۔ رباعی[1]:

بوئے جوئے مولیاں آیدہمی
یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

(مجھے دریائے مولیاں کی خوشبو آ رہی ہے (اسی کے ساتھ) مہربان دوست کی یاد آنے لگی ہے)

ریگ آموی و درشتی راہِ او
زیرِ پایم پرنیاں آیدہمی

(دریائے آموی کی ریت اور اس کے راستے کی سختی مجھے نرم ریشم کے کپڑے کی مانند محسوس ہو رہی ہے)

آب جیحوں از نشاطِ روئے دوست
خنگ مارا تامیاں آیدہمی

(دوست کے دیدار کی خوشی میں (کوئی پروا نہیں) کہ دریائے جیحوں کا پانی ہمارے گھوڑے کی پیٹھ تک آ گیا ہے)

اے بخارا شاد باش و دیرزی
میرزی تو شادماں آیدہمی

(اے بخارا تو خوش رہ تیری رونق دیر تک قائم رہے تیرا سردار شادمانی کے ساتھ واپس آ رہا ہے)

میر ماہست و بخارا آسماں
ماہ سوئے آسماں آیدہمی

(بادشاہ چاند ہے اور بخارا آسمان ہے۔ اب یہ چاند آسمان پر رونق افروز ہو رہا ہے)

میر سروست و بخارا بوستاں
سرو سوئے بوستاں آیدہمی

---

[1] رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں یہ کئی اشعار ہیں۔ مترجم نے تمام اشعار رودکی کے مذکورہ دیوان سے نقل کیے ہیں کیونکہ لطائفِ اشرفی کے مطبوعہ نسخے میں اکثر مصرعے صحیح طور پر نقل نہیں ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غزل (یا قطعے) کا پہلا مصرع مطبوعہ نسخے میں اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

باوجودِ مولیاں آید ہمی

جبکہ صحیح مصرع یوں ہے۔

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی

یہ مصرع زیادہ واضح ہے۔ ملاحظہ فرمائیں دیوانِ کامل رودکی سمرقندی ص۵۹۔

(بادشاہ سرو ہے اور بخارا بوستاں ہے۔ یہ سرو اب بوستاں کی جانب آ رہا ہے)

ان اشعار نے بادشاہ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اپنے خاص گھوڑے پر سوار ہوا اور بغیر کہیں رُکے بخارا پہنچ کر دم لیا۔ بعض تاریخ کی کتابوں میں اس واقعے کو سلطان سنجر اور امیر مغربی سے منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حکیم سنائی غزنویؒ

حکیم سنائی غزنویؒ [۱] کی کنیت ابوالمجد (اور نام) مجدود [۲] بن آدم تھا۔ وہ شیخؒ علی لالا کے والد کے چچازاد بھائیوں میں سے تھے جو گروہِ صوفیہ کے شعرا سے رغبت رکھتے تھے۔ حکیم سنائی کے کلام کو تحقیق کر کے ان کی تصانیف میں شامل کیا گیا ہے۔ کتاب (مثنوی) حدیقۃ الحقیقہ، آپ کے کمالِ شاعری نیز اہلِ معرفت و توحید کے ذوق و وجدان پر قاطع اور واضح دلیل ہے۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانی [۳] کے مرید تھے۔ آپ کے توبہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں سلطان محمود سبکتگین نے کافروں کے ملک فتح کرنے کے لیے فوج کشی کی۔ جب وہ غزنین سے باہر نکلا تو آپ نے سلطان کی مدح میں قصیدہ کہا۔ اسے سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے جا رہے تھے کہ راستے میں شراب کی بھٹّی کے سامنے سے گزرے۔ دیکھا کہ ایک مجذوب انتہائی مدہوشی اور مستی کے عالم میں ہیں۔ یہ مجذوب اپنی بلانوشی کی وجہ سے مشہور تھے کیونکہ بے توقف جام پر جام چڑھانے کے عادی تھے۔ آپ نے سنا کہ ان مجذوب نے اپنے ساقی سے کہا، سلطان محمود سبکتگین کے اندھے پن کے طفیل ایک قدح بھر دے کہ میں اسے نوش کروں۔ ساقی نے کہا، (ایسی بات نہ کہو) سلطان مرد غازی اور بادشاہ اسلام ہیں۔ مجذوب نے کہا، ناپسندیدہ شخص ہے۔ جو ملک اس کے تصرف میں ہے وہاں نظم و ضبط پیدا نہیں کر سکتا۔ عدل قائم نہیں رکھ سکتا اس کے باوجود دوسرے ملک فتح کرنے کی دُھن میں ہے۔ یہ کہا اور پیالہ پی گیا۔ پھر ساقی سے دوسرا پیالہ یہ کہہ کر طلب کیا کہ اسے سنائی شاعر کے اندھے پن کے صدقے میں بھر دے۔ ساقی نے کہا، سنائی بڑے صاحب فضل اور لطیف طبع شخص ہیں۔ مجذوب نے کہا، اگر وہ لطیف طبع ہوتا تو ایسے کام میں مشغول ہوتا جو اس کے لیے مفید ہوتا۔ [۴] اسی کیفیت میں چند برہنہ پائے اور کاغذ پر تحریر کیا کہ:

''اسے کوئی کام نہیں آتا اور نہیں جانتا کہ اسے کس لیے پیدا کیا گیا ہے''

سنائی نے جب یہ جملے سنے تو ان کی حالت متغیّر ہوگئی اور اُس تلچھٹ نوش کی توجہ سے اپنی غفلت کی مستی سے ہوشیار ہوگئے۔ بعد ازاں طریقت کی راہ میں قدم رکھا اور سلوک میں مشغول ہوگئے۔

---

[۱] حکیم سنائی غزنوی کا سالِ وفات ۵۳۵ھ ہے۔ بحوالہ ''سرچشمہ تصوف در ایران'' ص ۲۰۴۔

[۲] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۲ پر حکیم سنائی کا نام سہوِ کتابت کے باعث مخزود بن آدم نقل کیا گیا ہے۔ صحیح نام مجدود بن آدم ہے۔ ملاحظہ ہو حوالہ محولہ بالا۔

[۳] خواجہ یوسف ہمدانی کی کنیت ابو یعقوب تھی۔ آپ نے ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ (سرچشمہ تصوف در ایران۔ ص ۲۰۴۔)

[۴] اس کے بعد یہ جملہ نقل کیا گیا ہے، ''کذانی چند برہنہ یافتہ'' اس جملے کا مفہوم مترجم نہیں سمجھ سکا اس لیے لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ خواجہ سنائی جن ایّام میں قریب المرگ تھے ایک روز کوئی بات زبان پر لائے۔ حاضرین اپنے کان ان کے منہ کے قریب لے گئے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔ بیت:

باز گشتم زاں کہ گفتم زاں کہ نیست
درسخن معنی و درمعنی سخن

(جو کچھ میں نے کہا اس سے لوٹ آیا کیونکہ کلام میں معنی نہیں ہیں اور معنی میں کلام نہیں ہوتا)

ایک عزیز نے جب یہ شعر سنا تو کہا کہ یہ عجیب حال ہے کہ شاعری ترک کرنے کے باوجود شاعری میں مشغول ہیں۔

آپ ہمیشہ گوشہ نشین اور سب سے الگ تھلگ رہے۔ آپ کے کلمات آپ کے اشعار سے ظاہر ہیں، بنابریں اس کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی شخص آپ کی منقبت سے متعلق کچھ تحریر کرے۔ مثنوی:

اے کہ شنیدی صفتِ روم و چیں
خیز و بیا ملکِ سنائی بہ بیں

(اے مخاطب تو نے روم اور چین کی صفت سن لی ہے، اب اُٹھ اور سنائی (کی شاعری) کا ملک بھی آ کر دیکھ)

تاہمہ دل بینی و بے حرص و بخل
تاہمہ جاں بینی و بے کبر و کیں

(تو اسے سراسر ایسا دل دیکھے گا جس میں حرص و بخل نہیں ہے، اسے تمام تر ایسی جان محسوس کرے گا جس میں تکبّر اور عداوت نہیں ہے)

پائے نہ و چرخ بزیرِ قدم
دست نہ و ملک بزیرِ نگیں

(پاؤں نہ ہونے کے باوجود آسمان زیرِ قدم ہے۔ ہاتھ نہ ہونے کے باوجود حکم کے ماتحت ہے)

ورنہ دکانِ ملکی زیرِ دست
چوں نہ رود است فلک زیرِ زیں

(یہ اس لیے ممکن ہے کہ ملکی مقام اس کے ماتحت اور آسمان اس کی زین کے نیچے ہوتا ہے)

قطعہ:

ایں جہاں بر مثالِ مرداراست
کرگساں اندرو ہزار ہزار

(یہ جہان ناپاک لاش کی مثل ہے جس پر ہزارہا گدھ منڈلا رہے ہیں)

ایں مرآں راہمی زند مخبت
واں مرایں راہمی زند منقار

(یہ ناپاک لاش ان کو عاجز کر دیتی ہے اور وہ اسے چونچ مارتے رہتے ہیں)

آخر الامر بگذرند ہمہ
وز ہمہ باز ماند ایں مردار

(آخر کار سب وہاں سے چلے جاتے ہیں اور یہ ناپاک لاش سب سے پیچھے رہ جاتی ہے)

رباعی:

برسینِ سریر سرسپاہ آمد عشق
برمیمِ ملوک ہمچو ماہ آمد عشق
برکافِ کمال گُل کلاہ آمد عشق
با ایں ہمہ یک قدم زراہ آمد عشق

(جب عشق آتا ہے تو بادشاہ تختِ حکومت اور ملک ترک کر دیتے ہیں۔ عشق انسان کو اوجِ کمال پر پہنچاتا ہے یہ تمام عظمتیں اور بلندیاں عشق کی معراج نہیں ہیں بلکہ اس کی راہ میں صرف ایک قدم چلنا ہے)۔

آپ کا ایک قصیدہ ہے جس میں ایک سو اسّی سے زیادہ اشعار ہیں اور جسے ''رموز الانبیا کنوز الاولیا'' کہتے ہیں اس قصیدے میں آپ نے (معرفت کے) حقائق و لطائف نیز اصول و دقائق بیان کیے ہیں۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

رباعی:[1]

طلبِ عاشقانِ خوش رفتار
طرب اے مطربانِ شیریں کار

(اے شیریں کلام مطربو! خوش رفتار عاشقوں کی آرزو نشاط ہی نشاط ہے)

تاکے از خانہ ہیں دہِ صحرا
تاکے از کعبہ ہیں درِخمّار

(خبردار! گھر سے ویرانے کی دوڑ کب تک رہے گی؟ کب تک کعبے سے شراب پلانے والے کے دروازے کے چکّر

---

[1] رباعی میں چار مصرعے (دو شعر) خاص وزن اور بحر کے ہوتے ہیں۔ یہ چار شعر ہیں اور رباعی کے معروف وزن و بحر میں بھی نہیں ہیں، اس کے باوجود ان کا عنوان رباعی دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

لگیں گے)۔

در جہاں شاہدے وما فارغ
در قدح جرعۂ وما ہشیار

(معشوق دنیا میں ہے اور ہم فرصت سے بیٹھے ہیں۔ساغر میں شراب ہے اور ہم ہوشیار ہیں)

زیں سپس دستِ ماو دامنِ دوست
زیں سپس گوشِ ماو حلقۂ یار

(اس کے بعد ہمارا ہاتھ اور دوست کا دامن ہوگا پھر اس کے بعد ہم دوست کے حلقہ بگوش ہوں گے)

حدیقۃ الحقیقت کے علاوہ آپ کی تین تصانیف حدیقہ کے وزن پر ہیں اور تین دوسری مختصر مثنویاں ہیں۔مثنوی:

اے بہ پرواز بر پریدہ بلند
خویشتن را رہا شمردہ زبند

(اے مخاطب! تم بہت اونچی اڑان اڑ رہے ہو اور اس گمان میں ہو کہ قید سے رہا ہوگئے ہو)

باز بر سوے لا یجوز یجوز
دشنہ درد ست و صور تست ہنوز

(جایز ناجایز کے فتوے صادر کرنے میں مشغول ہوگئے ہو۔ ہاتھ میں خنجر ہے اور ہیئت بھی ویسی ہی بنا رکھی ہے)

تاتو دربند حبسِ تالیفی
تختۂ نقشِ کلکِ تکلیلی

(آخر کب تک تالیفات کے قید خانے میں بند رہو گے اور کب تک حروف چمکانے والے قلم سے مشق کرتے رہو گے)

مثنوی حدیقہ کے اختتام کا سال پانچ سو چھبیس ہجری ہے۔

شیخ فرید الدین عطارؒ

آپ شیخ مجد الدین بغدادی کے مرید تھے۔ آپ نے کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' کے دیباچے میں جو آپ سے منسوب ہے، تحریر کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں شیخ مجد الدین بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا خیریت تو ہے۔ فرمایا، مبارک ہیں وہ سپہ سالار جو اس امّت میں پیدا ہوئے ہیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا ہے، علماء امّتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں) پس میں اس لیے رو رہا ہوں کہ گزشتہ کل میں نے دعا کی تھی کہ خدایا تیرا کوئی کام بے سبب نہیں ہے، مجھے بھی اُس جماعت کے افراد میں شامل فرمایا اُن لوگوں

میں داخل فرما جنھوں نے اُن بزرگوں کو دیکھا ہے، مجھ میں ان کے علاوہ کسی دوسری جماعت میں شامل کیے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ بس میں اسی وجہ سے رو رہا ہوں کہ میری دعا قبول ہوئی ہے یا نہیں۔

(یہ بھی) بیان کیا گیا ہے کہ آپ اویسی تھے اور آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ ایک روز آپ اپنی عطاری کی دکان پر لین دین میں مصروف تھے۔ اس اثنا میں ایک درویش آیا اور اس نے چند بار ''اللہ کے لیے کچھ دو بابا'' کی صدا لگائی۔ آپ نے کوئی توجہ نہ دی۔ درویش نے کہا، اے خواجہ تم جان کیسے دو گے؟ آپ نے فرمایا جیسے تم جان دو گے۔ درویش نے کہا تم میری طرح جان دے سکوگے؟ آپ نے جواب دیا ہاں تمہاری طرح۔ درویش نے اپنا لکڑی کا پیالہ سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گیا۔ اس کی جان نکل چکی تھی۔ آپ کا حال متغیر ہوگیا۔ دکان لٹا کر گروہِ صوفیہ میں شامل ہوگئے۔

منقول ہے کہ حضرت مولوی بڑھاپے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں اپنی کتاب ''اسرار نامہ'' عنایت کی۔ مولانا رومی ہمیشہ اس کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور اس کے مطابق شعر بھی کہتے تھے۔

گرد عطّار گشت مولانا
شربت از دست شمس نوش نمود

(مولانا جنابِ عطّار کے گرد پھرے اور شربت شمس تبریزی کے ہاتھ سے پیا)

ایک اور مقام پر کہا ہے، بیت:

عطّار روح بود سنائی دو چشم ما
ما ازپےِ سنائی و عطّار آمدیم

(عطّار ہماری روح اور سنائی دونوں آنکھ تھے، ہم سنائی اور عطّار کے پیچھے آئے ہیں)

جس قدر توحید کے اسرار اور حقائق کی وجدانی کیفیات آپ نے اپنی مثنویوں اور غزلوں میں بیان کی ہیں اس قدر مقولات اس گروہ کے کسی بزرگ کے ہاں نہیں پائے جاتے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ متقدمین کی کتابیں اور کاملین کے ملفوظات اس قدر موثر نہیں ہیں جس قدر خواجہ عطار کا کلام موثر ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ فقیر کو ''منطق الطیر'' سے صوفیہ کی نسبتِ جذبہ اور کیفیتِ سلوک حاصل ہوئی اور کبھی یوں ہوا کہ اس گروہ کے مشکل الفاظ اور پیچیدہ اسرار جو کسی طرح حل نہیں ہوتے تھے تو میں نے اس کتاب سے رجوع کیا۔ کبھی کتاب ہاتھ میں لینے سے پہلے مقامات حل ہوگئے۔ کبھی مطالعے کے وقت متقدمین اور دیگر چند اصحاب کی تصانیف پڑھنے کا شوق اور میلان پیدا ہوا۔ سب سے پہلے حضرت خواجہ نظامی قدس اللہ سرہ کا خمسہ، اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ خبردار خبردار خواجہؒ کے کلام کو افسانہ خیال نہ کریں۔ حضرت شیخ فرید عطّار کی تصنیفات، حضرت شیخ شرف منیری کے مکتوبات، شیخ سعدی شیرازی کے کلام، عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیفات سے متعلق بہت اچھا اعتقاد رکھتے تھے۔ شیخ اکبر اور ان

کے متبعین کی تصنیفات پڑھنے کی بہت رغبت دلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنے کے لیے بہت زیادہ قابلیت اورقوتِ علمی کی ضرورت ہے تاہم برحسبِ عقیدہ فائدے سے خالی نہ رہیں گے۔ حضرت شیخ حسین مغزبلخی کے رسائل کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ شاہ بازِ توحید ہیں اگرچہ ابتدائی حال کے حامل تھے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ حضرت مخدوم زادہ شیخ نورنور اللہ قلبہ، فرماتے تھے کہ سالک کے لیے منطق الطیر کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نفع بخش اور سودمند نہیں ہے بشرطیکہ زبانِ مشرب رکھتا ہواور صوفیہ کے احوال اس پر نازل ہوئے ہوں۔ بیت:

توئی معنی و بیرونِ تو اسم است
توئی گنج و ہمہ عالم طلسم است

(تیری ذات حقیقت ہے اوراسم تیری ذات سے خارج ہے۔خزانہ تو ہی ہے باقی تمام عالم طلسم ہے)

حضرت شیخ عطارؒ نے سنہ چھ سوستائیس ہجری میں کافروں کے ہاتھ سے شہادت پائی اس وقت آپ کی عمر ایک سو چودہ سال تھی۔آپ کا مزار نیشاپور میں ہے۔

شیخ شرف الدین مصلح بن عبداللہ سعدی شیرازیؒ

سعدی شیرازی گروہِ صوفیہ کے فاضلوں میں سے تھے۔آپ شیخ عبداللہ خفیف[1] قدس اللہ سرہ کی درگاہ شریف کے مجاور تھے۔ دینی علوم سے کامل طور پر بہرہ منداور آداب سے پوری طرح واقف تھے۔ بہت سفر کیے اورملکوں کی سیاحت کی۔ کئی بار پاپیادہ حج ادا کیے۔ ہندوستان کے سفر میں سومنات کے مندر تک پہنچے اور بت کوتوڑا۔

آپ نے بہت سے مشائخ کبار سے ملاقات کی۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دورانِ سفر بیت المقدس پہنچے وہاں تقریباً چالیس سال تک لوگوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دی۔ ایک روز جبکہ اس خدمت کا ابتدائی زمانہ تھا، آپ دریائے دجلہ پر آئے۔ پیاسوں کے لیے مشک پانی سے پُر کرکے چلنے لگے۔ اچانک ایک شخص نمودار ہوا اورآپ سے پانی طلب کیا۔ آپ نے کہا کہ میاں تم دریائے دجلہ پر کھڑے ہو، خود ہی پانی پی لو۔ یہ پانی میں پیاسوں کے لیے لے جارہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ میں توتمہارے پاس اس لیے آیا تھا کہ تمہیں وصال کا آبِ حیات پلاؤں۔ اب جبکہ تم نے قبول نہیں کیا تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ شخص نظروں سے غائب ہوگیا۔ اس کے بعد آپ جس کسی کو پانی دیتے تو یہ کہتے، اے خضر پانی پیو۔ چالیس سال یہی کہتے ہوئے گزار دیئے کہ اے خضر پانی لو پانی پیو۔ چالیس سال کے بعد وہی شخص پھر نمودار ہوا اور شیخؒ کو (روحانی) ذوق کا آبِ حیات عنایت کیا۔ بعدازاں آپ شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردیؒ) کی خدمت میں پہنچے

---

[1] مطبوعہ نسخے میں عبداللہ خنیف نقل کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن خفیف اسکفشار نبی شیرازی تھا۔۳۹۱ ہجری میں وفات پائی۔ ملاحظہ فرمائیں ''سرچشمہ تصوف در ایران'' ص ۲۰۲۔

اور اُن سے استفادہ کیا۔ حجاز کے ایک سفر میں اپنے شیخ کے ہمراہ رہے۔ آپ کے جس شعر پر ندائے غیبی آتی اسے کتاب اشعار میں نقل کرتے۔ آپ نے سنہ چھ سو اکیانوے ہجری کے ماہِ شوال کے نصف آخر میں کسی جمعے کو وفات پائی۔

شیخ فخر الدین ابراہیم المعروف بہ عراقی ؒ

شیخ فخر الدین عراقی کتاب ''لمعات'' کے مصنف ہیں۔ آپ کے اشعار کا دیوان مشہور ہے۔ آپ ہمدان کے نواحی علاقے میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں قرآن پاک حفظ کیا اور بے حد خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے، اسی بنا پر اہل ہمدان آپ کی خوش الحانی کے گرویدہ تھے۔ قرآن حفظ کرنے کے بعد آپ علوم کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور سترہ سال کی عمر میں اس علاقے کے مدارس میں مشہور ہوگئے۔

ایک مرتبہ قلندروں کی ایک جماعت ہمدان میں وارد ہوئی۔ ان میں ایک صاحب جمال لڑکا بھی شامل تھا۔ عراقی جن پر مشربِ عشق غالب تھا، اسے دیکھتے ہی سو جان سے اس کے عاشق و طالب ہوگئے۔ کچھ عرصے بعد قلندر ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوگئے- آپ نے چند روز تو اپنے آپ کو سنبھالا، لیکن جب محبوب کی جدائی کا احساس حد سے بڑھ گیا تو ہندوستان روانہ ہوگئے۔ قلندر راستے ہی میں مل گئے۔ آپ نے ان ہی کے رنگ ڈھنگ اختیار کرلیے اور ان کی جماعت میں شامل ہوگئے۔ جب قلندروں کی جماعت ملتان پہنچی تو شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوئی، پھر جب ملتان سے روانہ ہونے لگی تو آپ کے دل میں شیخؒ کی صحبت میں رہنے کی آرزو پیدا ہوئی، اُدھر شیخؒ نے بھی تصرف فرمایا۔ آپ نے شیخ ؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ نے آپ کو خلوت میں بٹھا دیا۔ ابھی اس چلّے کے دو ہفتے گزرے تھے کہ آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور نسبتِ قوی ظاہر ہوئی۔ اسی عالمِ وجد میں یہ غزل وارد ہوئی۔ بیت :

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
زچشم مستِ ساقی وام کردند

(پہلے پہل جب (عشق کی) شراب (دل کے) پیمانے میں ڈالی تو ساقی کی چشمِ مست سے اُدھار لے کر ڈالی)

آپ یہ غزل خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے اور روتے تھے- جب اہل خانقاہ نے اس طرح غزل گاتے ہوئے سنا تو ازراہِ مخالفت یہ بات شیخ ؒ کے سمع مبارک تک پہنچائی کہ عراقی اس سلسلے کے مشرب کے خلاف غزل پڑھتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں حالانکہ سہروردیوں کے مشرب میں سوائے ذکر جہری اور تلاوتِ قرآن کے دوسری باتوں کی اجازت نہیں ہے۔ شیخ ؒ نے فرمایا، یہ بات تمہارے لیے منع ہے لیکن عراقی کے لیے منع نہیں ہے۔ چند روز اسی طرح گزر گئے کہ ایک روز اہل خانقاہ میں سے کسی شخص کا گزر شراب خانے کے سامنے سے ہوا۔ اس نے دیکھا کہ شراب پینے والے مستی کے عالم میں یہ غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ گا رہے ہیں۔ وہ شخص شیخ ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورت حال سے آگاہ کیا کہ شیخ حاکم ہیں۔ شیخ ؒ (سجادے سے) اٹھے اور خلوت کی جگہ تشریف لائے اور فرمایا، عراقی تم کیا پڑھ رہے ہو مجھے سناؤ۔ عراقی نے

غزل پڑھنی شروع کی آخر میں یہ مقطع سنایا۔ بیت:

چو خود کردند از خویشتن فاش
عراقی راچرا بدنام کردند

(جب اپنا راز خود ہی آشکار کر دیا تو عراقی کو کیوں بدنام کیا)

شیخ نے فرمایا، اٹھو! تمہارا کام پورا ہو گیا۔ تم مے خانے میں مناجات کرتے ہو، خلوت سے باہر نکلو۔ آپ حسب الحکم باہر آئے اور شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ ؒ نے اپنے دست مبارک سے آپ کا سر خاک سے اٹھایا، خلوت منسوخ کر دی اور اپنے جسم مبارک سے خرقہ اتار کر آپ کو پہنایا۔ بعدازاں اپنی صاحب زادی کو آپ کے نکاح میں دیا جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ان کا لقب کبیر الدین تھا۔ آپ پچیس سال شیخ ؒ کی خدمت میں رہے جب شیخ ؒ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے آپ کو بلایا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا اور رحمتِ حق کے جوار میں تشریف لے گئے۔ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت چوں کہ شیخ کی توجہ آپ پر زیادہ تھی اس لیے اُن میں سے بعض آپ سے حسد کرنے لگے اور بادشاہِ وقت تک یہ شکایت پہنچائی کہ آپ کا زیادہ تر وقت شعر خوانی اور صاحبِ جمال نوخیز لڑکوں کی صحبت میں گزرتا ہے بنا بریں آپ حسب سابق خلافتِ شیخ کے مستحق نہیں ہیں۔ جب مولانا عراقی کو اس شکایت کی خبر ہوئی تو آپ تمام امور سے دست کش ہو گئے اور حرمین شریفین کی زیارت کے لیے چلے گئے، اللہ تعالیٰ اِن دونوں مقامات کا شرف بڑھائے۔ کعبے شریف کی زیارت کے بعد آپ روم تشریف لے گئے اور وہاں شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت میں ان سے تربیت حاصل کی۔ یہاں ایک جماعت فصوص الحکم پڑھتی تھی، ان سے فصوص سنتے تھے۔ فصوص الحکم کے درس کے زمانے میں آپ نے اپنی کتاب ''لمعات'' تحریر کی۔ جب کتاب ختم کی تو اسے شیخ صدر الدین قونوی کے ملاحظے کے لیے پیش کی۔ شیخ صدر الدین قونوی نے کتاب پسند کی اور بے حد تحسین فرمائی۔

معین الدین [1] پروانہ آپ کے معتقدوں میں سے تھے۔ ایک روز وہ میدان کی طرف جانکلے، دیکھا کہ آپ چوگان ہاتھ میں لیے نوجوانوں کے درمیان کھڑے ہیں۔ امیر معین الدین نے عرض کیا کہ حضرت ہم کس فریق کی طرف ہوں۔ آپ نے فرمایا اس طرف اور ہاتھ سے ایک راستے کی جانب اشارہ کیا۔ امیر اسی طرف روانہ ہو گئے۔ جب امیر نے وفات پائی تو آپ روم سے مصر تشریف لے گئے۔ وہاں کے بزرگ استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے اور آپ کو عزت کے ساتھ شہر میں لے گئے۔ سلطانِ مصر کو بھی آپ سے کلّی اعتقاد پیدا ہو گیا اور آپ کو مصر کا شیخ الشیوخ مقرر کر دیا لیکن آپ اسی طرح بے تکلف بازاروں میں پھرتے اور رقص کرتے تھے۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۳۶۵۔ ''معین الدین برادیہ'' تحریر کیا گیا ہے۔ یہ ''معین الدین پروانہ'' ہیں، ملاحظہ فرمائیں ''تاریخ تصوف دراسلام'' مصنفہ ڈاکٹر قاسم غنی، تہران چاپ دوم ۱۳۴۰ ش، ص ۵۰۰ حاشیہ ۲۔

ایک روز آپ کفش گروں کے بازار سے گزرے، وہاں ایک کفش گر کے لڑکے پر آپ کی نظر پڑی۔ آپ اس کے شیفتہ ہوگئے۔ کفش گر کو سلام کیا اور دریافت کیا کہ یہ کس کا فرزند ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ نے اس لڑکے کے ہونٹوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ افسوس ایسے لب و دنداں گدھے کی کھال میں ملوث ہوں۔ کفش گر نے عرض کی شیخ ہم فقیر لوگ ہیں، ہمارا یہی پیشہ ہے۔ اگر دانتوں سے گدھے کی کھال نہ پکڑیں تو روٹی کہاں سے حاصل کریں گے۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ ہر روز کتنا کام کرتا ہے اور اسے اس کام کی کتنی اجرت ملتی ہے۔ اس نے کہا ہر روز چار درم کماتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو ہر روز آٹھ درم دوں گا، آئندہ یہ ہرگز ایسا کام نہ کرے۔ آپ ہر روز وہاں جاتے اور اپنے اصحاب کے ساتھ کفش گر کی دکان پر بیٹھتے اور سب طرف سے توجہ ہٹا کر لڑکے کو دیکھتے رہتے۔ اشعار پڑھتے اور روتے رہتے۔ دشمنوں نے یہ خبر سلطان کو پہنچائی۔ سلطان نے دریافت کیا کہ شیخ اس لڑکے کو اپنے گھر لے جاتے ہیں یا نہیں انہوں نے جواب دیا نہیں لے جاتے۔ پھر دریافت کیا کہ لڑکے کے ساتھ دکان میں خلوت کرتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے کہا خلوت نہیں کرتے۔ سلطان نے دوات اور قلم طلب کیے اور کاغذ پر تحریر کیا کہ شیخ فخر الدین عراقی کو روزانہ جو وظیفہ دیتے ہیں اس پر پانچ دینار کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے دن جب شیخ عراقی اور سلطان کی ملاقات ہوئی تو سلطان نے کہا، افسوس ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ کفش گر کی دکان پر اس کا لڑکا آپ کے منظورِ نظر ہوا ہے اور آپ نے ایک حقیر رقم اس کے اخراجات کے لیے مقرر کردی ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو لڑکے کو خانقاہ بھیج دیا جائے۔ آپ نے فرمایا، ہمیں اس کا مفاد مطلوب ہے ہم کسی طرح حکم دینا پسند نہیں کرتے۔

کچھ عرصے بعد آپ مصر سے شام چلے گئے۔ سلطانِ مصر نے شام کے ملک الامرا کو لکھا کہ وہ تمام مشائخ اور علمائے کبار کے ساتھ شیخ فخر الدین عراقی کا استقبال کرے۔ ملک الامرا کا ایک فرزند صاحبِ جمال تھا جوں ہی آپ کی نظر اس پر پڑی بے اختیار اپنا سر اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ لڑکے نے بھی اپنا سر شیخ کے قدموں میں ڈال دیا۔ ملک الامرا آپ کو لے گیا اور بیٹے کے ساتھ موافقت کی۔

دمشق والوں کے دل میں آپ کی مخالفت پیدا ہوئی لیکن وہ اس کے اظہار کی جرات نہ کرسکے۔ شیخ مستقل طور پر دمشق میں قیام پذیر ہوگئے۔ چھ ماہ بعد آپ کے فرزند کبیر الدین بھی ملتان سے آپ کے پاس آگئے اور ایک عرصہ والد کی خدمت میں بسر کیا۔ بعد ازاں شیخ بیمار ہوگئے۔ ایک روز بیٹے کو طلب کیا اور وصیت فرما کر رخصت کیا، قطعہ:[۱]

در سابقہ چوں قرارِ عالم دادند
مانانکہ نہ بر مراد آدم دادند[۲]

۱۔ یہ قطعہ نہیں بلکہ ہر اعتبار سے مکمل رباعی ہے۔

۲۔ غالباً اس مصرعے میں سہو کتابت ہے۔ مترجم نے ''مانانکہ'' کو ''ماناکہ'' قیاس کیا ہے۔

زاں قاعدۂ قرار کاں دور افتاد
نے بیش بکس وعدہ و نے کم دادند

(جب ازل میں عالم کو قائم کیا تو شاید اسے انسان کی مراد کے مطابق نہیں رکھا۔ اس قاعدۂ قرار سے جو دور جا پڑا وعدے کے مطابق نہ زیادہ ملتا ہے نہ کم)

۸/ذی قعدسنہ چھ سو چھیاسی ہجری میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کی قبر صالحہ دمشق میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سترہ، کے مرقد کے عقب میں ہے اور آپ کے فرزند کبیر الدین کی قبر آپ کے پہلو میں ہے، رحمۃ اللہ علیہ۔

امیر حسینیؒ

امیر حسینی رحمتہ اللہ علیہ کا نام حسین بن عالم ابن ابا الحسین تھا۔ آپ کا وطن کز تھا جو غور کے نواح میں واقع ہے۔ آپ علومِ ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ آپ کی تصنیف ''کنزالرموز'' سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپ بے واسطہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید تھے۔ نیز لوگوں میں یہی مشہور ہے لیکن میں نے بعض کتابوں میں ایسا دیکھا ہے کہ آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مرید تھے- شیخ رکن الدین اپنے والد شیخ صدر الدین کے اور شیخ صدر الدین اپنے والد شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے بعض منظوم ہیں جیسے کنز الرموز اور زادالمسافرین اور بعض نثر میں لکھی ہیں جیسے نزہتہ الارواح، روح الارواح اور صراطِ المستقیم وغیرہ آپ کا ایک دیوانِ اشعار ہے جس کے اشعار بے حد لطیف ہیں اور سوالات منظوم بھی آپ کے تصنیف کردہ ہیں جن کے جواب شیخ محمود شبستری نے دیے ہیں اور جو شیخ محمود شبستری کی تصنیف ''گلشنِ راز'' کی بنیاد بنے ہیں۔

آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ ایک روز آپ شکار کھیلنے کے لیے نکلے۔ ایک ہرن سامنے آیا۔ آپ چاہتے تھے کہ اس پر تیر چھوڑیں۔ ہرن نے آپ کی جانب دیکھا اور کہا، حسینی تم مجھے تیر مار رہے ہو، خدائے تعالیٰ نے تمہیں اپنی بندگی اور معرفت کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ تیر مارنے کے لیے۔ ہرن یہ کہہ کر غائب ہوگیا۔ آپ کے باطن میں طلب الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا اسے راہِ خدا میں لٹا دیا اور خود جوالقیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ملتان آ گئے۔ شیخ رکن الدین نے اس جماعت کی ضیافت کی۔ جب رات ہوگئی تو انہوں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، فرما رہے ہیں کہ میرے فرزند کو اس جماعت سے نکال کر کام (سلوک) میں مشغول کرو۔ دوسرے روز شیخ رکن الدین نے جماعت سے دریافت کیا کہ تم لوگوں میں سیّد کون ہے؟ انہوں نے میر حسینی کی جانب اشارہ کیا۔ شیخ رکن الدین آپ کو ان کے درمیان سے نکال لائے اور آپ کی تربیت کی یہاں تک کہ آپ اعلیٰ مقامات تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد آپ کو خراسان جانے کی اجازت دی۔ آپ ہرات آ گئے، وہاں کے تمام لوگ آپ کے مرید اور معتقد ہوگئے۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ ملتان کے بعض لوگوں سے سننے میں آیا کہ شیخ رکن الدین نے بھی اپنی ایک صاحب

زادی میر حسینی کے عقد میں دی تھی جیسے شیخ فخر الدین عراقی کا نکاح شیخ بہاؤ الدین کی صاحب زادی سے ہوا تھا۔ دونوں بزرگوں نے اسی شہر میں اپنی مشہور کتابیں ''لمعات'' اور ''نزہتہ الارواح'' تصنیف کیں۔ دونوں کتابیں شیخ کے ملاحظے کے لیے پیش کی گئیں، شیخ نے فرمایا، لمعات میں خاص کیفیت کارفرما ہے جبکہ نزہتہ الارواح میں نسبتِ خاص اور نسبت عام دونوں نسبتیں واقع ہیں۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق بہرہ مند ہوسکتا ہے لیکن لمعات دوسری طرح کے لمعوں (روشنی) کی حامل ہے۔ میر حسینی کی وفات ۶/شوال سنہ سات سو دس ہجری میں ہوئی، ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کا سالِ وفات چھ سو ننانوے ہجری ہے۔ آپ کی قبر شہرِ ہرات میں عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے مزار کے گنبد سے باہر ہے۔ [1]

شیخ اوحد الدین اصفہانیؒ

شیخ اوحد الدین اصفہانی سے متعلق سننے میں آیا ہے کہ آپ شیخ اوحد الدین کرمانی کے اصحاب میں تھے۔ یہ نسبت اس (صحبت) سے ہے۔ آپ کا ایک دیوانِ اشعار ہے جس میں بے حد لطیف شعر درج ہیں اس دیوان میں جو ترجیعات (نظم کی ایک قسم) ہیں وہ حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔ ایک مثنوی ''جامِ جم'' ہے جو شیخ سنائی کی حدیقہ کے وزن اور اسلوب میں ہے۔ اس کے اشعار بے حد لطیف ہیں۔ اس مثنوی کے چند ابیات یہ ہیں۔ مثنوی:

اوحدی شصت سال سختی دید
تاشبے روئے نیک بختی دید

(اوحدی نے ساٹھ سال سختی دیکھی تب کہیں جا کر ایک شب نیک بختی کا منہ دیکھا)

سر گفتارِ ما مجازی نیست
باز گردیدہ کیں ببازی نیست

(ہمارے کلام کا خلاصہ مجازی نہیں ہے نہ بے معنی بات اور کھیل کود ہے)

سالہا چوں فلک بسر گشتم
تافلک وار دیدہ ور گشتم

(سالہا سال آسماں کی طرح سر کے بل پھرتا رہا ہوں تب آسمان کی مانند دیدہ ور ہوا ہوں)

برسرِ پائے چلّہ داشتہ ام
چونہ از بہر ذلّہ داشتہ ام [2]

---

[1] مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۷ پر یہ عبارت ہے۔ ''قبر وے درمصرخ ہراتست بیرونِ گنبدِ مزار عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔ مصرخ کے لغوی معنی فریاد رس ہیں۔ اس عبارت کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ مترجم کے قیاس میں جملہ یہ ہوگا'' قبر وے درمصرِ ہرات است'' اس قیاس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

[2] دوسرے مصرعے میں ابہام ہے۔

(میں نے سر کے بل چلّہ کیا ہے میں نے ذلت کے لیے ایسا نہیں کیا)

در دروں خلو تسیت با یارم
وز بروں درمیان بازارم

(باطن میں مجھے دوست کے ساتھ خلوت نصیب ہے، خارج میں میں بازار کے درمیان ہوں)

کس نہ بیند جمالِ خلوتِ من
رہ ندارد کسے بخلوتِ من

(میری خلوت کا جمال کوئی نہیں دیکھتا، میری خلوت گاہ میں کسی کا گزر نہیں ہے)

تادلِ من بدوست پیوستست
سوزہا گرد سرمن شستست[1]

آپ نے حکیم سنائی کے قصیدۂ رائیہ کے جواب میں بہت اچھا قصیدہ کہا ہے۔ اس قصیدے کے اشعار کی تعداد ایک سو اسی ہوگی۔ اس کا مطلع یہ ہے، ابیات:

سرِ پیوند من ندارد یار
چوں تواں شدز بخت برخوردار

(دوست ہماری محبت سے بے تعلق ہے تو ہم کس طرح نصیب سے حصہ پا سکتے ہیں)

کار با مایکست در ہمہ شہر
و آن یکے تن نمی دہد درکار

(سارے شہر میں ہمارا سروکار ایک ہستی سے ہے اور وہی ایک ہستی ہم سے تغافل اختیار کیے ہوئے ہے)

ہمدمے نیست باکہ گویم راز
محرمے نیست تابنالم زار

(میرا کوئی ہمدم نہیں ہے جس سے رازِ دل بیان کروں، میرا کوئی محرم نہیں ہے کب تک تنہا زار زار روتا رہوں)

آپ کی قبر تبریز کے سبزہ زار میں ہے جس پر تاریخ وفات تحریر ہے اور وہ سنہ سات سو اڑتیس ہجری ہے۔

افضل الدین خاقانی

افضل الدین خاقانی اگرچہ فلکی کے شاگرد تھے (لیکن) شاعری کے میدان میں کامل شہرت حاصل کی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی ذات میں شعر گوئی کے اطوار سے ماورا کوئی اور طور بھی ودیعت کیا گیا تھا جس کے مقابلے میں شعر کی حیثیت

[1] دوسرا مصرع وزن سے گر گیا ہے اور مہمل بھی ہے۔ ترجمہ ممکن نہیں ہے۔

کم تر رہتی ہے، جیسا کہ خود فرماتے ہیں، بیت:

شعر چہ باشد برمن تا کہ زنم لافِ او[۱]
ہست مرا فن دگر غیر فنون شعراؤ

(شعر ایسا پھل نہیں ہے جس کے لیے شیخی ماروں۔ میرا فن دوسرا ہے جو فنونِ شعر سے مختلف ہے)

آپ کا کلام اس مشاہدے پر مبنی ہے، قطعہ:

صورتِ من ہمہ او شدہ صفت من ہمہ او[۲]
لاجرم کس من ومن کس نشود اندر سخنم

(میری صورت تمام تر اس کی صورت اور میری صفت تمام تر اس کی صفت ہوگئی ہے)

نزنم ہیچ درے تا کہ نگویند آں کیست
چوں بگویند مرا باید گفتن کہ منم[۳]

(میں کسی ایسے دروازے پر دستک نہیں دیتا جو مجھے نہیں پہچانتے۔ جب عزت سے پیش آئیں تو کہنا چاہیے کہ میں ہوں)۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ قطعہ:

عشق نمی فشرد پای بر نمط کبریا[۴]
بردبدست بخت ہستی مارا
ماو شمارانیفتد بیخود سراست
زانکہ نہ گنجدد رو زحمت ما وشما

آپ کا بہت سا کلام اسی نوعیت کا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو صوفیہ کے پاک مشرب سے شرب کلّی حاصل تھا۔ آپ المستضی نور اللہ کے عہد خلافت میں تھے۔ آپ نے عربی قصیدے میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن ایک دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ لوشیر کے والی، شروانشاہ اور منوچہر آپ کے ممدوح تھے۔ شروانشاہ نے جسے خاقان بھی کہتے تھے آپ کی تربیت کی تھی۔ وہ قصّہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ شروانشاہ اور فضلا کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ شروانشاہ نے کہا کہ شعرا حضرات بادشاہوں کی مصاحبت میں خوش طبع ہوجاتے ہیں اور شعر کی قابلیت پیدا کرتے ہیں اور فضلا کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا

۱۔ پہلا مصرع بے وزن نقل کیا گیا ہے نیز دوسرے مصرعے میں مطلب خبط ہوگیا ہے۔ مترجم نے قیاسی ترجمہ کیا ہے۔
۲۔ پہلا مصرع وزن سے گر گیا ہے۔ ۳۔ دوسرا مصرع بے وزن نقل کیا گیا ہے۔
۴۔ اس قطعے میں سوائے پہلے مصرعے کے تمام مصرعے سہوِ کتابت کے باعث بے وزن اور مہمل ہوگئے ہیں۔ اسے بے ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔

ہے۔ آخر میں یہ بات طے ہوئی کہ ایک لڑکے کی تربیت کی جائے۔ شروانشاہ نے ایک بڑھئی کے لڑکے کو حاصل کیا اور اس کی تربیت کی جانب متوجہ ہوگیا۔ پہلے اسے تعلیم کے لیے بٹھایا جب لیاقت پیدا ہوگئی تو اس سے کہا کہ کبھی کبھی شعر بھی کہا کرو، اور اس کے معلم کو بھی ہدایت کی کہ لڑکے کو شعر کہنے کی تعلیم اور ابیات نظم کرنے کو ترغیب دیا کرو۔

(ایک روز) جب وہ لڑکا خاقان کی ملازمت سے مکتب خانے جا رہا تھا تو اس نے راستے میں ایک اونٹ دیکھا جس نے روئی کے کھیت کی طرف منہ کر رکھا تھا۔ لڑکے کے دل میں آیا کہ میں یہ شعر کہوں، بیت:

اے اشترا کز گردنا دانم چہ خواہی کردنا
گردن دراز کردہ پنبہ بخواہی چردنا[1]

(اے کج گردن اونٹ میں جانتا ہوں تو کیا کرنا چاہتا ہے۔ گردن لمبی کر کے روئی چرنا چاہتا ہے)

لڑکا جب دوسرے روز خاقان کی خدمت میں آیا تو یہ شعر کاغذ پر لکھ کر لایا۔ بادشاہ نے یہ شعر پڑھا تو اسے ہنسی آ گئی۔ فرمایا ایسا نہ ہو کہ اہل فضل یہ کاغذ دیکھ لیں۔ پھر اسے اپنی خواب گاہ کی چھت کی لکڑی میں ٹھونس دیا اور لڑکے کو ہر روز (شعر کہنے کی) ترغیب دیتا رہا۔

(اس کے بعد) ایسا اتفاق ہوا کہ ارکانِ دولت نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ بادشاہ ہلاک کر دیا جائے۔ تجویز یہ قرار پائی کہ جراح کو ہمت دلائی جائے اور اسے بہت ساز رو مال دیا جائے کہ جب وہ تنہائی میں خط بنانے جائے تو اپنا کام پورا کر دے (بادشاہ کا سر کاٹ دے)۔ جراح نے اس تجویز کو قبول کر لیا، چنانچہ فرصت کے وقت اسی خلوت خانے میں جس میں کاغذ اڑسا ہوا تھا داخل ہوا۔ جراح کو سر کاٹنا میسر نہ ہوا۔ اس نے سوچا کہ ٹھوڑی کے نیچے بال تراشتے ہوئے سر کاٹ دیا جائے۔ جب بادشاہ کا سر بلند ہوا اور اس کاغذ پر نظر پڑی تو بے ساختہ پڑھا۔ مصرع:

اے اشتراکز گردنا دانم چہ خواہی کردنا

(اے کج گردن اونٹ میں جانتا ہوں کہ تو کیا کرنا چاہتا ہے)

جراح کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اور وہ بادشاہ سے معذرت کرنے لگا اور سارا راز اگل دیا کہ بادشاہ میں بے قصور ہوں، آپ کے وزیروں نے آپ کے مارنے کی سازش کی تھی۔ بادشاہ عجیب حیرت میں مبتلا ہوا پھر جب اس سے استفسار کیا تو جراح نے تمام قضیہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے اس شعر کو بابرکت خیال کیا کہ اس کے سبب ہماری جان بچی۔ اس نے لڑکے کو طلب کیا اور اپنے لقب خاقان کی نسبت سے اسے خاقانی کا لقب عطا کیا۔ خاقان ہی کی تربیت سے خاقانی اس مرتبے کو پہنچے کہ متقدمین فضلا کے پیشوا قرار دیے گئے۔ آپ کے والد چونکہ بڑھئی تھے اسی نسبت سے آپ نے یہ شعر تخلیق کیا۔ بیت:

---

[1] کردنا کو کردن اور چردنا کو چریدن سمجھا جائے۔

نوح نہ بس علم داشت گر پدر من بدے
قنطرہ بستے زچوب برسرِ طوفان او
(حضرتِ نوح کا علم کافی نہ تھا اگر وہ میرے باپ ہوتے تو لکڑی سے طوفان کے اوپر پل کھڑا کر دیتے)

جہاں خاقانی کی حد کمال ختم ہوتی ہے حضرت نظامی قدس سرہ، کی ابتدا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے تھوڑی سی نوک جھونک بھی ہوئی تھی آپ نے حکیم سنائی کے قصیدۂ رائیہ کا جواب بھی لکھا تھا۔ اس کے اشعار کی تعداد ایک سو اسّی ہے اور اس میں تین مطلعے ہیں۔ ابیات:

الصبوح الصبوح کا مدکار
النہار النہار کا مدکار
(صبحیں ہیں کہ کامیاب ہیں، دن ہیں کہ کامیاب ہیں)

کارے از روشنی چو آب خزاں
یارے از خوش دلی چو باغ بہار
(روشنی سے کام خزاں کے پانی کی مانند چمک دار ہے۔ دوست خوش دلی سے باغ بہار ہے)

خیز بے گاہ تا بوقت صبوح
می کند لعبتان زدیدہ نثار
(نیند سے بے وقت اٹھ جا کہ صبح کے وقت بت اپنا دیدار نثار کرتے ہیں)

قصیدے کے آخر میں کہتے ہیں، ابیات:

ایں قصیدہ زجمع سبعیات
ثامن است از غرایبِ اشعار
یہ قصیدہ تمام ساتوں قصائد سے بڑھ کر آٹھواں ہے جس کے اشعار عجائبات وغرائبات سے بھرپور ہیں۔

از درِ کعبہ گردر آویزند
کعبہ برمن فشاندے استار
(اگر اس قصیدے کو کعبے کے دروازے پر لٹکائیں تو کعبہ مجھ پر غلاف نثار کرے)

زد قفا سنگ راقفائے سنگ
وامر اورایقیں کند انکار

(ہر حادثے کے پیچھے ایک حادثہ ہے جو اسے دبوچتا ہے لیکن انکار کرنے والا اپنی بات پر یقین کرتا ہے)
آپ کی وفات سنہ پانچ سو پچانوے میں ہوئی۔

حضرت نظامی گنجویؒ

آپ ظاہری اور باطنی علوم نیز رسمی اصطلاحات سے کلّی طور پر بہرہ مند تھے لیکن اپنے علوم کا اظہار نہ کرتے تھے۔ گنجہ کے ایک بزرگ نے نقل کیا ہے کہ آپ عجیب وغریب علوم مثلاً کیمیا اور سیمیا سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ سیمیا (طلسم سازی) کا تعلق اس عالم سے ہے جس میں ہوش وخرد معطل ہوجاتے ہیں۔ یہ علم بھی آپ سے منسوب تھا ایک بادشاہ نے آپ کو مدعو کیا کہ تشریف لائیں۔ شیخ نے اپنے قدم قناعت اور گوشہ گیری کے دامن سے کھینچ لیے تھے بادشاہ کے حکم پر کوئی توجہ نہ دی۔ بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے اگر شیخ ہمارے ہاں نہیں آتے تو ہم ملاقات کے لیے جائیں گے۔ بادشاہ اپنے ارکان دولت اور امیروں نوابوں کے ساتھ سوار ہوا اور شیخ کے مکان کی طرف چلا۔ جب آپ کے حجرے کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ سنہری سرا پردہ، نقرئی شاہی خیمہ اور طرح طرح کے دوسرے خیمے کھڑے کیے گئے ہیں۔ بہت بڑا لشکر سرا پردے کے گرد جمع ہے۔ بادشاہ آگے بڑھا تو سب تعظیم کے لیے آئے۔ صرف سرا پردے سے اندر جانے کا راستہ خالی رکھا۔ باقی ارکان دولت باہر رہے اور اپنے آپ کو بھول گئے۔ جب بادشاہ کو اندر لے گئے تو اس نے دیکھا کہ شیخ سنہری کرسی اور جڑاؤ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مختلف قسم کے لباس فاخرہ میں ملبوس بہت سے ہتھیار بند سپاہی آپ کے سامنے کھڑے ہیں (ان کے علاوہ) زرّیں کمربستہ اور خنجر کشیدہ سپاہی آپ کے گرد کھڑے ہیں۔ بادشاہ اس وہم میں مبتلا ہوگیا کہ کہیں یہ سپاہی مجھے قتل نہ کر دیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ بادشاہ وہم میں مبتلا ہے تو آپ نے اپنا تصرف برطرف کردیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ شیخ پرانی گدڑی جسم پر ڈالے ویرانے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے تبسم کیا اور فرمایا، دنیاوی جاہ و دولت سہل چیز ہیں اور ان پر ناز کرتے ہیں اور فخر دکھاتے ہیں۔ بادشاہ نے بہت معذرت کی۔

اس طرح کی بہت سی باتیں آپ سے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ آپ حکیم پیشہ تھے اور علم کیمیا سے واقف تھے بلکہ سکندر نامے کے جلد ثانی میں اس کے بارے میں اشارہ بھی کیا ہے۔ آپ کی قوتِ روحانیہ اعلیٰ مرتبے کی ہے۔ کسی شخص نے آپ کے شعر میں دخل نہیں دیا۔ جس کسی نے اس بات کا تھوڑا سا بھی اظہار کیا اس کا سرتن سے جدا ہوگیا۔ آپ کا دوسرا کلام متفرقہ طور پر کتاب میں مذکور ہے۔ کوئی شخص کسی بھی نیت سے آپ کا کلام پڑھتا رہے تو اس کا مقصد برآئے گا، جیسا کہ خود فرمایا ہے، بیت:

اگر ناامیدیش گیرد بدست
بدست آورد ہر مرادے کہ ہست

(اگر ناامید شخص اس کلام کو ہاتھ میں لے (پڑھے) تو اس کی جو بھی مراد ہے پوری ہوگی) آپ کی (وفات کی) تاریخ سکندر نامے کے خاتمے میں کہی گئی ہے جو سنہ پانچ سو بیانوے ہجری ہے)

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ آپ کی مثنویاں جو ''پنج گنج'' کے نام سے مشہور ہیں، ان میں سے اکثر سلطان کی فرمائش پر لکھی گئی ہیں۔ آپ کا بہت سا کلام ایسا ہے، جس کی نظیر سامنے نہیں آئی۔ لوگوں نے اس کا جواب لکھنے میں بہت کچھ سر کھپایا لیکن کوئی عہدہ برآ نہ ہوسکا البتہ امیر خسروؒ نے کسی قدر کامیابی حاصل کی ہے اور بہت خوب کہا ہے یہ مقام بھی انہیں حضرت سلطان المشائخؒ کی توجہ کی برکت سے حاصل ہوا۔

شیخ کمال خجندی قدس سرہ

شیخ کمال خجندی قدس سرہ، بہت ہی بزرگ ہستی تھے۔ شعر گوئی سے اشتغال رکھتے تھے اور اشعار میں رمز و ایما کا اہتمام کرتے تھے تاکہ ظاہر باطن سے مغلوب نہ ہوجائے اور ظاہر کی رعایت عبودیت کی راہ میں مانع نہ ہو، چنانچہ فرماتے ہیں، بیت:

ایں تکلفہائے اندر شعر من
کلمنی یا حمرائے من است[1]

(میرے اشعار میں یہ تکلفات، ''اے حمیرا (عائشہؓ) مجھ سے باتیں کرو'' کی مثل ہیں (یعنی تسکین کے لیے ہیں)

آپ ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہے۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ آپ کچھ عرصے ساس میں مقیم رہے۔ حیوانی گوشت نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے کمالات، اشعار اور ان کے معانی سے آشکار ہیں کسی تعریف اور توصیف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ کی وفات[2] آٹھ سو تین ہجری میں ہوئی۔ آپ کی قبر تبریز میں ہے اور لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے۔ بیت:

کمال از کعبہ نزدِ یار رفتی
ہزارت آفریں مردانہ رفتی

(اے کمال تو کعبے سے دوست کے ہاں گیا تجھ پر ہزار بار آفریں ہے کہ کیا مردانہ وار گیا)

---

[1] سہو کتابت کے باعث یہ مصرع وزن سے گر گیا ہے۔ صحیح کلمینی یا حمیرا ہے۔ مصرع ''کلمینی یا حمیرا ے من است'' ہونا چاہیے۔

[2] (مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۹ پر یہ عبارت ہے، ''وفاتِ وے در سنہ ثلاث بود'' اس کا ترجمہ یہ ہوگا، ''آپ کی وفات سنہ تین میں ہوئی'' ظاہر ہے کہ یہ سن درست نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نصرت المطابع دہلی نے کاتب صاحب کی کتابت کی تصحیح نہیں کرائی اسی باعث مطبوعہ نسخے میں جگہ جگہ اغلاط واقع ہوئی ہیں۔ کمال خجندی کا سالِ وفات آٹھ سو تین ہجری ہے، ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر قاسم غنی کی تصنیف'' بحث در آثار و افکار و احوالِ حافظ'' (جلد اوّل) کا مقدمہ ص لز۔ یہ تصنیف تہران سے ۱۳۶۱ ہجری میں شائع ہوئی ہے مترجم نے اس حوالے کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔)

مولانا محمد شیریں المعروف بہ مغربی قدس سرہ

آپ شیخ اسماعیل سیبی کے مرید تھے جو شیخ نور الدین عبدالرحمٰن محمد اسفرائنی قدس سرہ کے اصحاب میں سے تھے۔ دریائے مغرب میں اپنی بعض سیاحتوں کے زمانے میں آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی کے اصحاب میں سے ایک بزرگ سے خرقہ پہنا اور ان سے حقائق و دقائق کے کشف حاصل کیے۔ آپ کے کمالات آپ کی تصنیفات (سے ظاہر ہیں) جن میں دیوان مصطلح شامل ہے۔ خاص طور پر ''جامِ جہاں نما'' ایسا مجموعہ ہے جس میں کلی طور پر علمِ تصوف درج ہے۔ حق یہ ہے کہ اسے بے نظیر کہا جا سکتا ہے، کیونکہ اس گروہ میں سے کسی بزرگ نے اس نوعیت کی موجز و مختصر تصنیف جو اصول و فروع اور تصوف کی جامع ہو، تحریر نہیں کی۔ خواجہ کمال خجندی سے آپ کی ملاقات کا موجب وہی مطلع تھا جس کا ذکر لطیفۂ سابق میں ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ شیخ اسماعیل سیبی نے آپ کو مینار[۱] دجلہ پر بٹھا دیا۔ مولانا مغربی وہاں بیٹھ گئے اور ایک غزل کہہ کر شیخ کی خدمت میں پیش کی، بیت:

تا مہر تو دیدیم وز ذرت گذشتیم[۲]
از جملہ صفات از پے آں ذات گذشتیم

(جب ہم نے تیرا آفتاب دیکھا تو ذرّات سے بے تعلق ہو گئے۔ ذات کے حصول کے لیے صفات سے درگزر رے یعنی کثرت چھوڑ کر طالبِ وحدت ہو گئے۔)

شیخ نے غزل پسند کی۔ آپ کی وفات سات سو نواسی ہجری میں ہوئی۔

شمس الدین محمدن الحافظ

ان کو حضرت قدوۃ الکبراؒ کے ساتھ مصاحبت حاصل رہی ہے۔ انہوں نے بہت بہت پسند کیا چنانچہ اس پسندیدگی سے متعلق چند مقامات پر ان کے اشعار ضبطِ تحریر میں آئے ہیں۔ فی الحقیقت وہ اویسی تھے اور مجذوب طور پر پھرتے تھے۔ ان کے مستر شد حاجی قوام نے جنہیں صدارت کی عنایت سے منصبِ وزارت حاصل ہوا تھا، ان کے اشعار جمع کیے۔ ان کا کلام اس درجے بلند معانی کا حامل ہے کہ اس گروہ میں سے کسی کو یہ خوبی حاصل نہ ہوئی حتیٰ کہ ان کے کلام کو ''لسان الغیب'' (غیب کی زبان) کہتے ہیں۔ ان کی وفات سنہ سات سو بانوے ہجری میں ہوئی اور دوسری روایت کے مطابق سات سو اٹھانوے ہجری میں ہوئی اور دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔

۱۔ مطبوعہ نسخے میں ''برماندا دجلہ'' نقل کیا گیا ہے، مترجم نے اسے ''بر ماذنۂ دجلہ'' قیاس کر کے ترجمہ کیا ہے۔

۲۔ مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۶۹ پر اس شعر پہلا مصرع اسی طرح نقل ہوا ہے۔ مترجم کا قیاس ہے کہ یہ مصرع اس طرح ہوگا۔

تا مہر تو دیدیم ز ذرّات گذشتیم

اسی قیاس کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

سلطان الشعرا امیر خسرو دہلویؒ

امیر خسروؒ متقدمین شعر گو حضرات کے پیشوا اور متاخرین کامل اہل فضل کا خلاصہ تھے۔ آپ اسرار صوفیہ کو آشکار کرنے والے بلکہ اس گروہ عالیہ کی تصانیف میں فوقیت کے حامل تھے۔ آپ کے والد ترک لاچین تھے۔ وہ تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور دارالخلافت دہلی میں، اللہ تعالیٰ اسے آفتوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے، قیام پذیر ہوگئے۔ آپ کے والد کو امیر لاچین کہتے تھے۔

جب امیر لاچین کے ہاں (یہ) فرزند پیدا ہوا تو وہ آپ کو فرزانے دیوانوں میں سے ایک بزرگ کی خدمت میں جو بہت شہرت رکھتے تھے لے گئے۔ اُن مجذوب نے فرمایا کہ یہ لڑکا خاقانی اور انوری سے آگے بڑھ جائے گا۔ جب آپ مکتب میں جانے کے قابل ہوگئے تو آپ کی تعلیم کا انتظام کردیا۔ آپ نے سب علوم میں مہارت پیدا کرلی اور شعر کہنے کا سلیقہ حاصل کرلیا۔ آپ جب کبھی شعر کہتے تو اسے حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرتؒ تحسین فرماتے۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ شعر میں حرف شیریں زبان پیدا کرے گا لیکن اگر تم صفاہانیوں کے طرز پر شعر کہو گے تو وہ کلام مقبولِ زمانہ ہوگا۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ شعر میں عشق انگیز اور شوق آمیز کیفیات بیان کی جائیں چنانچہ اس روز سے خدوخال اور زلف وگیسو میں الجھ گئے۔ ایک رسالہ شعر اور صنائع سے متعلق حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کیا جس میں شعر ونظم کے قاعدے اور فائدے تحریر کیے گئے تھے، اس کے بعد حضرتؒ کی منقبت میں قصیدہ کہہ کر نظر مبارک سے گزارا۔ چونکہ پسند فرمائے گئے اس لیے سچی ارادت کا باعث ہوئے۔ انہی ایام میں حضرت سلطان المشائخ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور دوسرا قصیدہ کہہ کر خدمتِ شیخ میں پیش کیا۔ ارشاد ہوا، کیا چاہتے ہو عرض کیا کہ شیرینیٔ کلام چاہتا ہوں۔ (خادم سے) فرمایا، شکر کا طباق لاؤ۔ وہ شکر سے بھرا ہوا طباق لائے اسے آپ کے سر پر نثار کیا اور تھوڑی سی شکر کھانے کے لیے آپ کو دی۔ اس نے فوراً اپنا اثر دکھایا۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ نے شیخ شرف الدین قلندرؒ سے شیریں سخنی کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ شیریں سخنی تو شیراز کا بچہ لے گیا البتہ نمک چاہیے تو وہ موجود ہے۔ آخر کار نمک کا ایک ٹکڑا اپنے منہ پر رکھ کر آپ کے منہ میں ڈال دیا۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ (میرا) احتمال یہ ہے کہ امیر خسروؒ نے ہر کان سے گوہر حاصل کیے شیرینی اور نمکینی دونوں آپ کے کلام میں ہیں جو لوگوں کی طبیعت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نظم ونثر میں جو کتاب ترتیب دی اسے حضرت سلطان المشائخؒ کی نظر مبارک کے شرف سے مشرف کیا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کتاب امیر خسروؒ کے ہاتھ ہی ہوتی اور سلطان المشائخ فاتحہ پڑھتے کبھی چند سطریں ملاحظہ فرماتے اور کسی قدر تحسین فرماتے تاکہ مغرور نہ ہوں اور اسی ایک فن

کے ہوکر نہ رہ جائیں بلکہ جوفن اس سے بڑھ کر ہے اور جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے اسے پیش نظر رکھیں۔ چونکہ حضرت سلطان المشائخ کا آپ پر التفات اس تعلق سے تھا وہ نسبت بھی آپ کو حاصل ہوئی۔ بیت:

آناں کہ خاک رابنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(وہ (اللہ والے) جو ایک نظر میں خاک کو کیمیا بنا دیتے ہیں کاش کبھی اپنے گوشۂ چشم سے ہمیں بھی دیکھ لیں)

بہر حال اس کٹھن راستے میں آپ منزل تک پہنچ گئے کہ آپ صوفیہ کے کلام کے محرم اور اس گروہِ عالم کے اسرار کے سامع ہوگئے۔ اگرچہ آپ سلاطین کی ملازمت سے وابستہ رہے اور بادشاہوں (کے دربار) کی نوکری کی لیکن سلطان المشائخ کی نظر قبولیت سے بے بہرہ نہیں رہے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے دہلی کے سات بادشاہوں کی ملازمت کی لیکن آپ کی (حقیقی) تربیت غیاث الدین (کے عہد) سے ہوئی۔ باوجود اس قدر درباری مشغولیت کے آپ نے مشائخ کے معین کردہ اوراد و وظائف ترک نہیں کیے۔ کبھی نماز تہجد قضا نہ ہوئی۔ تہجد کے وقت آپ کی تلاوتِ قرآن سب کے علم میں ہیں۔

ایک دن سلطان المشائخؒ نے دریافت فرمایا، ترک تمہاری مشغولیت کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ کبھی کبھی سحر کے وقت گریہ طاری ہوجاتا ہے۔ فرمایا، الحمد للہ! اثر ظاہر ہونے لگا۔ حضرت سلطان المشائخ کی جس قدر باطنی التفات اور ظاہری الطاف امیر خسروؒ پر تھیں اس قدر عنایات دوسرے اصحاب پر نہ تھیں، جیسے کہ حضرتؒ نے اپنے ایک رقعے میں تحریر فرمایا ہے اور جس کی عبارت بعینہ یہ ہے:

''میں سب لوگوں سے تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں ہوتا بلکہ خود سے تنگ آجاتا ہوں اور تم سے نہیں ہوتا۔''

یہ مکتوب تمام تر خصوصیت کا مظہر ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سا رتبہ ہوسکتا ہے۔ ایک روز شیخ نصیر الدین سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ امیر خسرو شیخ نصیر الدین کے ایلچی بنے اور شیخ سے ان کے حالات عرض کیے۔ ایک مرتبہ آپ[۱] نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ میرا تخلّص شاہانہ قسم کا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھے فقیرانہ نام و لقب عطا ہوتا۔ حضرتؒ نے اپنے (باطنی) علم سے رجوع کیا، کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور فرمایا، کل قیامت کے روز تمہیں اولیا اور اصفیا کے زمرے میں میرے چاہے ہوئے نام محمد کاسہ لیس سے پکاریں گے۔ امیر خسروؒ خوش ہوگئے اور شکر بجالائے۔

ایک مرتبہ سلطان المشائخ خوش دلی کی کیفیت میں تھے اور تمام اصحاب اس ذوق کے نور کے پرتو میں بے خود تھے کہ

---

[۱] امیر خورد کرمانی نے سیر الاولیا میں یہ واقعہ برعکس تحریر کیا ہے، یعنی ایک شب حضرت سلطان المشائخ کے دل میں غیب سے القا ہوا کہ خسرو درویشوں کا نام نہیں ہے تم خسرو کو محمد کاسہ لیس کے نام سے پکارو (فرمودند کہ امشب در سرِ دعا گوفرو خود اندند کہ خسرو نامِ درویشاں نیست خسرو ابنام محمد کاسہ لیس خوانید) ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی لاہور، ۱۹۷۸ء ص ۳۱۳۔ لطائف اشرفی کے مطبوعہ نسخے کے اس صفحے پر (۳/۱۷) آگے بھی عبارتیں خلط ملط ہوگئیں ہیں بہر حال مترجم نے اپنے ترجمے میں مطبوعہ نسخے کی پیروی کی ہے۔

یکا یک حضرتؒ نے اپنے دریائے بطون میں غوطہ لگایا (مراقبے میں چلے گئے) ایک گھڑی بعد مراقبے سے سر اٹھایا اور بشارت دی کہ ترک اللہ تمہیں بشارت ہو کہ اس وقت ایسے عالم کا مشاہدہ کرایا گیا کہ بیان نہیں کرسکتا۔

بصد ہزار زبان شرحِ آں یکے زہزار
چہ عالمے کہ ہمہ کائنات دروے نیست[1]

(ہزار زبانوں سے اس کے ہزارویں حصے کی شرح نہیں کی جاسکتی۔ ایسا عالم تھا کہ اس میں تمام کائنات شامل نہ تھی)

چہ حاصل[2] کہ ہمہ عزو کام دروے خوار

(وہ کچھ حاصل ہوا کہ اس کے مقابلے میں تمام عزتیں اور کامیاں ہیچ ہیں)

چہ دیدہ ایم ہمہ دیدگاں از و خیرہ
چشیدہ ایم شرابے کہ نیست دروے خمار

(ہم نے وہ کچھ دیکھا کہ جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، ایسی شراب پی ہے جس میں خمار نہیں ہے)

آخر صحبت میں مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا اور کتنا اپنے ساتھ لائے ہو؟ میں نے کہا کہ حصولِ عرفان، وصولِ وجدان اور اپنے اصحاب۔ ان کلمات کا سننا تھا کہ امیر خسرو رقص کرنے لگے اور اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا۔

زہے خجستہ مقامے کہ گفت حضرتِ پیر
زروئے لطف و سعادت مرا بشارت داد

(کیا مبارک مقام ہے کہ حضرت شیخ نے ازراہِ لطف و سعادت مجھے بشارت دی)

اگرچہ بندہ گنہگار بود و بدکردار
ولے گزیدز لطفِ خود و سعادت داد

(اگرچہ یہ بندہ خطا کار اور بدکردار تھا لیکن اپنے لطف سے اسے قبول کیا اور سعادت بخشی)

مشہور شاعر حسن سجزیؒ

حسن سجزیؒ ہندوستان کے مشاہیر شعرا میں سے ہیں۔ آپ کو نثر و نظم میں مہارتِ تامّہ حاصل تھی اور دونوں اصناف سے بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے، یہاں تک کہ سب لوگوں نے آپ کی تخلیقات کو پسند کیا۔ آپ نے ردیف و قوافی کو اس عمدگی سے برتا کہ اکثر شعرا ایسی ترتیب سے عاجز رہے۔ آپ شیخ نظام الدین کے اصحابِ کبار میں سے تھے اور ظاہری و معنوی اسرار کے محرم تھے۔ لطافت و ظرافت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ کے بعض اوقات اس زمانے کے

۱؎ مترجم کا قیاس ہے کہ یہاں ''نیست'' کے بجائے ''ہست'' ہونا چاہیے۔

۲؎ اگر ''حاصلے'' نقل کیا جاتا تو مصرع وزن میں ہوتا دوسرا سہو یہ ہے کہ اس کا دوسرا مصرع تحریر کرنا بھول گئے ہیں۔

بادشاہوں کی خدمت اور کچھ اوقات سرداروں کی ندیمی میں بسر ہوتے تھے لیکن ریاضت اور مجاہدے میں بھی مشغول رہتے تھے، چنانچہ شیخ نے اکثر اوقات آپ کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے حسن نے بادشاہوں کی مصاحبت اور ریاضت کے حق کو خوب خوب انجام دیا ہے۔ ہر چند کہ آپ بادشاہوں کے مصاحب تھے اور بادشاہوں کے مصاحب شعرا شراب اور مطرب کے رسیا ہوتے ہیں لیکن آپ اِن عیوب سے بالکل مبّرا تھے۔

خواجہ حسنؒ سے منقول ہے کہ امیر خسروؒ شاہِ وقت کی ملازمت میں ملتان گئے، وہاں سے انہیں حضرت شیخ سعدیؒ کو بلانے کے لیے شیراز بھیجا۔ چونکہ اُن کے بعض اشعار شیراز پہنچ چکے تھے، ان اشعار کی مثل پڑھا۔ بیت:

سیہ بادام را ہرگز میفگن در نظر بازی
نگہدارش کہ وقتِ مرگ برتابو تم اندازی

(اے محبوب! اپنی سیاہ آنکھوں کو نظر بازی میں ضائع نہ کر۔ ان کی حفاظت کر کیوں کہ موت کے وقت تجھے انہیں میرے تابوت پر ڈالنا ہے)

ان کے دیگر اشعار بھی شیراز پہنچے، ایک روایت ہے کہ امیر خسروؒ نے بھیجے کہ سعدی وہاں تھے لیکن تاریخ سے ان باتوں کی تحقیق نہیں ہوتی۔ شاید اس لیے ان کے اشعار نہیں پہنچے کہ یہ امیر خسرو کے بچپن کا زمانہ تھا۔

بیان کرتے ہیں کہ خواجہ حسن (بیماری کی وجہ سے) مضطرب تھے، جان لبوں پر تھی اور ہوش رخصت ہو چکے تھے۔ اہل فضل کی ایک جماعت مثل خواجہ خسرو اور خواجہ منصور آپ کی عیادت کے لیے آئی۔ آپ سے پوچھا کہ آپ پہچانتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ آپ نے آنکھ کھولی اور کہا میں ان کے کلام کا غلام ہوں۔ تمام اہل فضل نے یہ جواب پسند کیا کہ ایسے وقت میں بھی ظرافت سے باز نہ رہے۔ اس بیماری سے حق تعالیٰ نے آپ کو شفا بخشی۔

منقول ہے کہ بادشاہوں کی مجلس میں دونوں بزرگوں کے درمیان قدرے نوک جھونک ہوئی تھی، اس سبب سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ملال پیدا ہو جاتا تھا۔ آخر امیر سیّد مبارک [1] جو حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات کے جامع ہیں بیچ میں پڑے اور خواجہ حسن کے فرزند کو حضرت امیر خسروؒ کے مکان پر لے گئے اور ان کی صاحبزادی سے عقد کر دیا۔ جب یہ خبر حضرت سلطان المشائخؒ کے سمع مبارک تک پہنچی تو بے حد پسند فرمایا، اسی طرح تمام اصحاب کے لیے یہ خبر باعث مسرت و فرحت ہوئی۔ شادی کے آخر میں حضرت خواجہ حسنؒ بادشاہ کی خدمت میں گئے اور امرِ مذکورہ ظاہر کیا تو

---

[1] یہ اطلاع درست نہیں ہے۔ ''سیر الاولیا فی محبت الحق جل وعلیٰ'' کے مصنف سید نور الدین مبارکؒ کے بیٹے سیّد محمد بن مبارک المدعو بہ امیر خورد کرمانی م ۷۷۰ھ ہیں۔ یہ ملفوظات کی کتاب نہیں بلکہ مختصر طور پر مشائخ چشت کا تذکرہ اور مکمل طور پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس سرہ کی سوانح حیات ہے۔ دہلی کے ایک مطبع کے مالک چرنجی لال نے اسے پہلی مرتبہ ۱۳۰۲ھ میں شائع کیا جو چرنجی لال ایڈیشن کہلاتا ہے۔ یہی ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں مرکز تحقیقات فارسی اور ایران نے اسلام آباد سے شائع کیا۔

بادشاہ خود آیا اور دلہن کے جہیز کا سامان فراہم کیا۔ اس طرح جو تھوڑا سا تفرقہ تھا اس نکاح کے سبب ختم ہو گیا اور جمعیت خاطر حاصل ہوئی۔

اس کے بعد ملفوظ فوائد الفواد جس کی آپ ابتدا کر چکے تھے اس کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے، اور دن رات اس کے لکھنے میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ جس زمانے میں کہ آپ نے اس کا مسودہ ترتیب دیا اور صاف کیا کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ حق یہ ہے کہ وہ ملفوظ حقائق اسرار کا جامع اور انوارِ الٰہی کے دقائق پر حاوی ہے۔ جب ملک میں اس کے نسخے منتشر ہوئے تو درویشوں کے لیے معانی کے حصول اور معرفت الٰہی کے وصول کا موجب بنے۔ اس کے بعد دوسرے ملکوں میں اکابر کے ملفوظات تحریر کرنے کی روایت قائم ہوئی، جیسے کہ خواجہ بہاؤ الدین نقش بند کے مقالات کو اسی اسلوب پر ایک شخص نے جمع کیا ہے۔

اس فقیر کو تصوف کی کتابوں میں سے جو ہندوستان میں تصنیف ہوئیں دو کتابیں ولایت (ہندوستان سے باہر ممالک) میں ملیں، ایک فوائد الفواد اور دوسری مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین، ان سے میں نے بہت استفادہ کیا فرزند دریتیم [1] نے فقیر کے مکتوبات اس اسلوب پر جمع کیے ہیں۔

---

[1] حضرت دریتیم کے حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں لطائف اشرفی ترجمہ جلد اوّل کراچی ۱۹۹۹ء ص ۷۴۔